eISSN: 2789-6331
pISSN:2789-4169

CC BY
OPEN ACCESS

ثمینہ یٰسین
پی۔ایچ۔ڈی سکالر، شعبہ اُردو، دی ویمن یونیورسٹی، ملتان
ڈاکٹر عذرا پروین
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، دی ویمن یونیورسٹی، ملتان

**Samina Yaseen**
Ph.D Scholar, Department of Urdu, The Women University, Multan
**Dr. Azra Parveen**
Associate Professor, Department of Urdu, The Women University, Multan

# نیلی بار اور مانگی ہوئی محبت": رچناوی زبان کا حقیقی تہذیبی و تخلیقی بیانیہ"

# "NEELI BAR AND MANGI HUI MOHABBAT": TRUE CULTURAL AND CREATIVE NARRATIVES OF RACHNAVI LANGUAGE

## ABSTRACT

"Civilization" is a methodology of purposeful creations and social values of nations living in a specific geographical region, and language is the interpreter of these values, so language and civilization are closely related. The Rachnavi civilization is related to the ancient " Harappa " civilization. This civilization is considered one of the greatest civilizations in terms of its tradition and extent. Dr. Tahira Iqbal's novel "Neeli Bar" and Prof. Iqbal Abid's Novel "Mangi Hui Mohabbat" are Valuable and momentous Achievements written in the context of Rachnavi civilization. Their work of art is also commendable in this sense that before this, there was no significant progress regarding the presentation of creative culture at the level of fiction. Although, there are many gems of creative potential in this language. After the arrival of Islam, the people who settled in this region adopted and used Arabic and Persian with open heart. The Roots of this language are similar to the language of classical Punjabi poets and ancient Urdu. Tahira Iqbal and Iqbal Abid have apotheosis the depth and richness of this language by using many insightful words in the narration of the novel. Moreover, By sweeping away the slander of "Jaangli" on this language and the dust of Incuriousness, they tried to present the true face of this civilization.

## KEYWORDS

Civilization, Rachnavi Language, Classical Punjabi Poetry, Neeli Bar, Maangi hui Mohabbat, Jaangli Language, Proverbs, Harappa Civilization, Ancient Urdu Dictionary, Hafiz Mahmood Shirani, Faqir Muhammad Faqir

"نیلی بار" اور "مانگی ہوئی محبت" دو ایسے ناول ہیں جن میں کئی مشترک پہلو ہیں۔ ان کا زمانۂ تسوید لگ بھگ ایک ہے۔ "نیلی بار" کا سنِ اشاعت ۲۰۱۷ء اور "مانگی ہوئی محبت" کا ۲۰۱۸ء ہے۔ دونوں ناول نگاروں ڈاکٹر طاہرہ اقبال اور محمد اقبال عابد کا مرزبوم بھی ایک ہے۔ دونوں ناولوں میں ایک ہی تہذیب و معاشرت بیان ہوئی ہے۔ یہ اختصاص محض تہذیب اور طرزِ معاشرت کے بیان میں نہیں بلکہ رچناوی تہذیب ان دو ناولوں میں تفصیل سے بیان ہوئی ہے آج تک لکھے گئے اردو ناولوں کی روایت میں کہیں بیان نہیں ہوئی۔ مزید بر آں دونوں ناول نگاروں کے ان ناولوں میں رچناوی زبان جس انداز اور جس کثرت سے استعمال کی گئی ہے کسی اور ناول میں نہیں ہوئی۔

مصنفین کی اس شعوری کوشش کے پسِ پردہ ناولوں میں مذکور تہذیب و معاشرت کی صحیح ترین عکاسی، فکر و نظر کی درست ترجمانی، رسم و رواج اور تاریخی جڑت کی پیش کش بھی کارفرما ہے۔ مزید بر آں جابجا رچناوی الفاظ، کہاوتوں، محاوروں اور اکھانوں کا استعمال یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ دونوں ناول نگار رچناوی زبان کی ابلاغی قدرت، اس کی قدامت، اس کی اہمیت اور قدیم اردو کے ساتھ اس زبان کے رشتے کو بھی سمجھتے ہیں نیز لسانی تشکیل کے سلسلے میں اردو کے دامن کو وسیع کرنے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم مسبوق الذکر مقصد کی وضاحت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی زبان عطا کر دیتا۔ مگر اس نے مختلف زبانیں دی ہیں۔ اس مصلحت اور حکمت بارے قرآن پاک میں ارشاد ربّانی ہے۔

> "اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق ہے اور تمھاری زبانوں اور تمھارے رنگوں کا اختلاف (بھی) ہے۔ بے شک اس میں اہل علم (و تحقیق) کے لیے نشانیاں ہیں"(i)

محولہ بالا اس آیت میں آسمانوں اور زمینوں کے لیے "خلق" اور زبانوں، رنگوں کے لیے "وَاختِلاف" کے کلمات استعمال ہوئے ہیں۔ زبان، انسان کی تخلیق ہے مگر لہجہ قدرت کا عطیہ ہے لہذا لہجے کو زبان پر ہر حال میں تقدم حاصل ہے۔ رنگ اگر شخصی پہچان کا ذریعہ ہے تو اس رنگ سے مراد مزاج، تہذیب، طرز فکر و عمل بھی ہے۔ یوں رنگ اور زبان کسی خطے کے انفراد کی علامت ہے۔ دونوں ناول نگاروں نے رچناوی تہذیب و معاشرت کی بہترین پیش کش کے لیے جابجا رچناوی زبان کا سہارا لے کر اس خطے کے اصل رنگ کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

ابلاغ اپنی بلند تر سطح تک پہنچ کر بلاغ المبین بنتا ہے اور اس کے لیے خالق کائنات کا دستور خود خالق نے سورۃ ابراہیم میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔

> "اور ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کی زبان کے ساتھ تاکہ وہ ان کے لیے (پیغام حق) خوب

واضح کر سکے"(ii)

کسی گروہ انسانی سے واضح بات کرنی ہو تو ان لوگوں کی زبان میں کرنا دستورِ قدرت ہے اور یہی طریقہ بہترین ہے۔ اِسی طرح اُس گروہ کی بات کرنا مقصود ہو تو ان کی زبان سے بہتر کوئی وسیلہ نہیں۔ لیکن اگر ایک مخصوص جغرافیائی خطّے کی بات اسی خطّے کی زبان میں کرنے سے قاری ذہنی کوفت میں مبتلا ہوتا ہو تو یہ طرزِ بیان قرأت میں، تفہیم میں اور ابلاغ میں مزاحم ہوتا ہے۔ لیکن "نیلی بار" اور "مانگی ہوئی محبت" میں برتی گئی مقامی زبان کی خوبی یہ ہے کہ وہ قدیم اردو سے گہری نسبت رکھتی ہے اور مروج اردو کے لیے بھی اجنبی نہیں۔ چنانچہ قاری کسی جھنجھلاہٹ کا شکار نہیں ہوتا۔ اردو اور رچناوی کے مابین نسبت اور رشتے کی تفصیل آئندہ سطور میں بیان ہوں گی۔ یہاں ہم دونوں ناولوں میں مستعمل رچناوی زبان اور تہذیب کے بارے میں وضاحت کرتے ہیں۔

رچناوی تہذیب ہو یا رچناوی زبان، سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ یہ کس جغرافیائی خطے سے تعلق رکھتی ہے۔ زبان اور تہذیب کا آپس میں گہرا ربط ہے۔ "نیلی بار" اور "مانگی ہوئی محبت" میں رچناوی تہذیب بیان ہوئی ہے اور اس تہذیب کے نقوش واضح شکل میں ابھارنے کے لیے رچناوی زبان کے استعمال کا سہارا لیا گیا ہے۔ اس کا سبب جاننے کے لیے ہمیں یہ سمجھنا ہو گا کہ تہذیب اور زبان کا آپس میں کیا تعلق ہے۔ تہذیب کی بابت انتظار حسین رقم طراز ہیں کہ:

> "تہذیبیں گونگی نہیں ہوتیں اور زبانیں خلا میں معلق نہیں ہوتیں۔ دونوں باہم مربوط ہوتی ہیں۔ ایک ترقی یافتہ زبان کو دیکھ کر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ کوئی ترقی یافتہ تہذیب اس کی پشت پر ہے اور اگر کسی نئی تہذیب کی کونپل پھوٹ رہی ہے تو سمجھ لیجیے کہ کسی نہ کسی رنگ میں کوئی لسانی عمل بھی اس کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے"(iii)

ترقی کی منزلیں طے کر چکنے کے بعد دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں شمار ہونے والی ایک تہذیب ہڑپہ کی تہذیب تھی اور اس سے مربوط پنجابی زبان۔ پنجابی زبان کا معیاری، قدیم، کلاسیکی اور مرکزی لہجہ رچناوی بھی ہے۔ زبانیں تہذیب و معاشرت کی نمائندہ ہوتی ہیں۔ تہذیب کے متعلقات میں دریا، پہاڑ، جنگل اور صحرا ہوتے ہیں۔ دریاؤں کا رنگ، تہذیب پر زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ دنیا کی بڑی تہذیبیں دریاؤں سے منسوب و موسوم ہیں۔ راوی کے بائیں کنارے ہڑپہ کے آثارِ قدیمہ اس حقیقت کو آشکار کرتے ہیں کہ اس تہذیب کا مضبوط ترین تعلق راوی سے ہے۔ عبد الحکیم کے قریب واقع جلیل پور کے کھنڈر اور آثارِ قدیمہ ہڑپہ سے بھی پہلے دور کی تہذیبی و تمدنی زندگی کے شاہد ہیں۔ صرف خانیوال میں ڈیڑھ درجن کھنڈر اس خطے کی ترقی یافتہ تمدنی زندگی کا ثبوت ہیں۔

راوی کو مرکزی حیثیت دیتے ہوئے رچناوی کی ترکیب وضع کی گئی ہے۔

ڈاکٹر الطاف حسین لنگڑیال اس حوالے سے اپنے مضمون "پنجاب دی مرکزی بولی تے معیاری لہجہ۔ رچناوی" میں لکھتے ہیں کہ:

> "راوی توں "ر" چناں توں "چ، ا" نیلی توں "ن" تے ویاہ توں "وی" لے کے ایہہ بن گیا "رچناوی"۔ جہلم جس دا اصل نام نیلم اے، اس دا "ن" نیلی دے نال نال نیلم دی حصے داری وی ثابت پیا کریندا اے۔ لفظ رچناوی دے وچ راوی دا پورا لفظ آجاندا اے، چناں "ں" دے علاوہ، نیلی "ل" دے علاوہ تے ویاہ آخری "ہ" دے علاوہ اس لفظ وچ سمویا ہویا اے" (iv)

> ترجمہ: راوی کا "ر" چناب کا (جسے چناں کہا جاتا ہے) "چ اور ا" نیلی (ستلج کو چناوی زبان میں "نیلی" کہتے ہیں) کا "ن" ویاہ (بیاس) سے "وی" لیا گیا اور یوں یہ نام متشکل ہوا۔ دریائے جہلم دراصل دریائے نیلم ہی ہے۔ "رچناوی" کے "ن" میں نیلی کے ساتھ نیلم کا بھی اشتراک ہے۔ راوی کی مرکزی حیثیت "رچناوی" نام میں یوں بھی مترشح ہوتی ہے کہ "راوی" کے چاروں حروف "ر" "ا" "و" اور "ی" اس لفظ میں موجود ہیں جبکہ "چناں" (چناب) کا حرف "ں" "نیلی" کا حرف "ل" اور ویاہ (بیاس) کا آخری حرف صرف "ہ" رچناوی کی تعمیر سے باہر ہے۔

دریائے جہلم سے لے کر بیاس تک کا سارا خطہ (جس میں کل پندرہ اضلاع اور پانچ تحصیلیں شامل ہیں)، کی ماں بولی رچناوی ہے۔ اِن اضلاع میں سرگودھا، خوشاب، میانوالی، بھکر، حافظ آباد، فیصل آباد، ٹوبہ ٹیک سنگھ، جھنگ، چنیوٹ، خانیوال، ساہیوال، اوکاڑہ، بہاولنگر، پاک پتن، وہاڑی شامل ہیں اور تحصیلیں یہ ہیں۔ ضلع بہاولپور کی تحصیل حاصل پور، ضلع مظفر گڑھ کی تحصیل رنگ پور، ضلع ننکانہ صاحب اور ضلع شیخوپورہ کے مغربی علاقے، ضلع ملتان کے علاقے بند بوسن، جھوک وینس، مان کوٹ وغیرہ۔ ضلع لیہ کی تحصیل چوبارہ چوک اعظم اور فتح پور میں بھی رچناوی کا چلن ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستانی پنجاب کے کچھ علاقوں میں بھی رچناوی مادری زبان کے طور پر مستعمل ہے۔ چنانچہ پروفیسر ڈاکٹر الطاف حسین لنگڑیال سہ ماہی "رچناوی" میں لکھتے ہیں۔

> "ہندوستان دی ریاست بیکانیر دے قدیم قبائل مشہ لاً ڈھڈھیاں دی بولی وی رچناوی اے، اسے طراں ہندوستانی پنجاب دے علاقیاں فاضلکا، پکا چشتی، بیری والا، چوڑھی والا تے جموڑاں دی زبان اج وی رچناوی اے" (v)

جغرافیائی وسعت کے لحاظ سے پنجابی کے دیگر لہجوں کی صورتِ حال یہ ہے کہ ماجھی پنجابی آٹھ ضلعوں، سرائیکی تین ضلعوں اور پوٹھوہاری پانچ ضلعوں میں بولی جاتی ہے۔ پنجاب کے پانچ دریاؤں کے علاقوں میں بولی جانے والی زبان مرکزی اور اصل نہیں تو پھر

کون سی زبان مرکزی لہجے کے سنگھاسن پر براجمان ہو سکتی ہے۔

رچناوی زبان محض رقبے کے لحاظ سے اہم نہیں بلکہ اس میں لکھی جانے والی اصنافِ ادب کی بوقلمونی بھی اسے اہم زبان بناتی ہے۔ اس میں غزل، رباعی، دوہڑے، ماہیے، قطعات، بولیاں، مرثیے اور قصیدے تخلیق ہوتے آئے ہیں۔ ان اصناف کی حد تک تو رچناوی کا دنیا کی بڑی زبانوں کے ساتھ برابری کا رشتہ استوار ہوتا ہے مگر لطف آگیں پہلو یہ ہے کہ رچناوی میں کچھ ایسی اصناف بھی موجود ہیں جو کسی دوسرے زبان میں موجود نہیں۔ مثلاً ڈھولا۔

انگریزی صنف سخن سانیٹ Sonnet کہ جس کے ہر بند میں چودہ مصرعے ہوتے ہیں، کو طویل ترین صنف شاعری مانا جاتا ہے۔ (ڈھولا، نہ صرف یہ کہ کسی اور زبان میں لکھی جانے والی صنفِ شاعری نہیں بلکہ) ڈھولے کا اختصاص و امتیاز یہ بھی ہے کہ یہ سانیٹ سے بھی طوالت میں زیادہ ہے۔ اس کے ایک ایک بند کے ۴۲ مصرعے ہوتے ہیں۔ ڈھولے میں تصوف، معرفت، مذہب، مجاز، حقیقت، ہجو، مرثیہ، قصیدہ، داستان، نظم رزمیہ اور دھرتی کے بہادر باسیوں کے تذکرے شامل ہوتے ہیں۔

ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ سانیٹ کے شعرا شیلے اور کیٹس جیسے بڑے تخلیق کار ہیں جبکہ ڈھولا تخلیق کرنے والوں میں اکثر مویشی چرانے والے چرواہے، شتربان، اور عام کسان بھی شامل ہیں۔ ان میں سے بعض تو لکھنے پڑھنے سے بھی قاصر ہوتے ہیں۔ لہذا یہ لوگ اپنی تخلیق کو لوحِ ذہن پر رقم کرتے رہتے ہیں اور ایک خاص لحن میں گاتے، پڑھتے ہیں۔

ڈھولے کے علاوہ سولھڑا بھی ایک ایسی ہی حامل انفراد صنف ہے۔ سولھڑا سو مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے اور یہ تخلیق بھی ایک انوکھی طرز پر ہوتی ہے۔ ہدی خوان، شتربان لمبے سفر پر نکلتے، پہلے اونٹ کا شتربان ایک مصرعہ کہتا ہے دوسرے اونٹ کے ساتھ آنے والا اسی قافیے میں دوسرا، تیسرے اونٹ والا تیسرا اور اسی طرح سوویں شتربان نے سواں مصرعہ کہنا ہوتا تھا۔ اگر اونٹوں کی تعداد کم ہوتی تو آخری سے یعنی اُلٹی گنتی شروع ہو جاتی ہے۔ ٹہراں، سٹھڑیاں اور وگتی بھی رچناوی زبان ہی کی اصناف ہیں۔ وگتی جسے اب جگت بازی کہا جاتا ہے۔ خالص رچناوی کی دین ہے۔ وگتی طربیہ انداز کی مثال ہے تو نوحے اور بین المیہ کی۔ رچناوی خطے کی عورتیں ایسے ایسے بین کرتی ہیں کہ سننے والوں پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ نیلی بار اور مانگی ہوئی محبت میں مرقوم بین اس کی بہترین مثالیں ہیں۔

ان شعری اصناف کی مانند "نیلی بار" اور "مانگی ہوئی محبت" میں جا بجا استعمال ہونے والی رچناوی زبان کی قدامت بھی دنیا کی دیگر زبانوں میں اسے نمایاں مقام دیتی ہے۔ پنجاب کا یہ خطہ جسے پانچ دریا سیراب کرتے ہیں اس کے سرسبز و شاداب میدان کبھی غیر آباد نہیں رہے۔ ہڑپہ میں اس وقت کپاس پیدا ہوتی تھی جب دنیا کی ترقی یافتہ تہذیبیں اسے بچشم حیرت سے دیکھ کر اس کے مختلف نام رکھتی تھیں۔ اس

خطہ کی شادابی و آبادی بیرونی حملہ آوروں کی ہوس ملک گیری کو بڑھاتی تھی۔ بد قسمتی سے یہاں کے قدیم قبائل عہد بہ عہد انقلابی یورشوں سے گھر سے بے گھر ہوتے رہے، جابر اقوام کے ہاتھوں شہر بدر ہوتے رہے، ترقی و خوشحالی سے دور اور تمدنی زندگی سے مہجور ہوئے، بکھر گئے تاہم ان سب کی زبان ایک رہی۔ یہی زبانِ قدیم آج پنجابی زبان کہلاتی ہے۔

یہ قدیم قبائل جھونپڑیوں میں دھکیل دیے گئے لہذا دستیاب شہری سہولتوں سے بھی محروم رہے مگر اس عالم میں ان کی زبان بیرونی زبانوں کے اثرات سے پاک رہی۔ سنسکرت کے پنجابی پر اثرات کی تردید اس بات سے ہو جاتی ہے کہ پنجابی لہجہ سنسکرت کے مقابلے میں قوی، بارعب اور زندہ دلی کا عکاس ہے۔(vi) دراصل آریاؤں کی آمد سے قبل بھی یہاں مقامی زبان موجود تھی۔ اس لیے بابائے پنجابی ڈاکٹر فقیر محمد فقیر "پنجابی زبان و ادب کی تاریخ" میں لکھتے ہیں۔

> "آریہ لوگوں کے آنے سے پہلے افغانستان اور پنجاب میں لوگ دراوڑی خاندان کی زبانیں بولتے تھے جن میں سے براہوی نام کی ایک زبان ابھی تک بلوچستان میں موجود ہے اس کے گرد و پیش پشتو، بلوچی، سندھی اور پنجابی زبانیں بولی جاتی ہیں"(vii)

گویا آریا نسل کے ورود سے قبل بھی یہاں کی مقامی تہذیب اور مقامی زبان اپنی علمی حیثیت کے ساتھ موجود تھی۔ تہذیبی اثر پذیری کے ساتھ ساتھ سیاسی اقتدار کی حامل نسل کی زبان نے سنسکرت کو زیادہ اور مقامی زبان کو نسبتاً کم متاثر کیا۔ سنسکرت نے اپنی علمی برتری تسلیم کروانے کے لیے مقامی زبان کو اپ بھرنش یعنی ٹوٹی پھوٹی بولی اور اپنی زبان کو سنسکرت یعنی پاکیزہ زبان کا خطاب دیا لہذا نچلی سطح پر پنجاب کی اندرونی حدود میں موجود پنجابی زبان کو پنجابی، ماجھی، دوآبی، پوواد ھی، مالوی، باگڑی، ڈوگری، ملتانی، پوٹھوہاری اور جانگلی کے ناموں سے موسوم کر دیا گیا۔ اگر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ چند مقامی الفاظ و معنی کی تخصیص کے سوا ان تمام کی تعمیر میں پنجابی ہی کار فرما ہے۔ سنسکرت نے اپنی برتری کے زعم میں مقامی زبانوں سے بُعد اختیار کیا جس کے نتیجے میں پہلے وہ محدود ہوئی اور پھر رفتہ رفتہ معدوم۔

لگ بھگ تین ہزار سال پہلے جب آریا خود کو غیر ملکی کی بجائے ملکی حاکم تصور کرنے لگے تو مقامی قبائل سے میل جول سے گریز کرنے لگے۔ سنسکرت کے عالموں کو یہ اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں مقامی زبانیں سنسکرت کے معیاری روپ کو مسخ نہ کر دیں۔ اس خدشے کے پیش نظر اپنی زبان کی حفاظت کے خیال سے انہوں نے اسے بر سرِ اقتدار طبقہ تک محدود کر دیا۔ ان حالات میں مقامی زبان بولنے والوں نے اپنی زبان پر انحصار کرنا تھا۔ اس خود انحصاری کے نتیجے میں مقامی زبان عوامی زبان جبکہ سنسکرت "دیوبانی" بن کر محدود ہوتی گئی۔

وقت کے ساتھ ساتھ پنجاب کی زبان کے ساتھ شیوۂ بے اعتنائی فزوں تر ہوتا گیا کہیں پہلی طرز پر اور کہیں صورتِ متغیرہ میں۔ پنجاب کے طول و عرض میں بولی جانے والی اس زبان کو ضلع بہ ضلع بدلتے لہجے کی بنیاد پر تقسیم کیا گیا اور مرکزی بولی کو نظرِ تحقیر سے دیکھتے ہوئے نکال

باہر کیا گیا۔ یوں اس وسیع زبان کے دامن کو تنگ کیا گیا۔ اردو کی نشوونما میں مرکزی کردار ادا کرنے والی یہی زبان تھی۔ غیروں نے اسے جو نقصان پہنچایا سو پہنچایا، اپنوں نے بھی پنجاب کی زبان کو "نام" کے حوالے سے متنازع بنایا۔ اردو کے آغاز کے نظریات کے باب میں تاریخی مغالطے وضع کیے گئے۔ پنجاب کی زبان جسے ہم پنجابی کہتے ہیں، امیر خسرو اسے لاہوری اور ابو الفضل اسے ملتانی کہتے ہیں، مغربی مؤرخین نے اسے دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے مشرقی حصے کی زبان کو پنجابی اور مغربی حصے کی زبان کو لہندا کہا۔ حالانکہ مشرقی اور مغربی کا فرق اصولی نہیں بلکہ یہ فرق مقامی خصوصیات کی بنا پر زبان کے لہجے میں آجاتا ہے۔ اس تدریجی فرق کو بنیاد بنا کر ایک زبان کو دو الگ الگ ناموں سے موسوم کرنا غلط ہے۔ ان مغربی مؤرخین نے پنجاب کے مشرقی حصے کی زبان کو پنجابی کہا مگر اسے مغربی ہندی میں شامل کر دیا۔ یہیں سے ایک اور مغربی نظریہ سامنے آتا ہے کہ پنجابی زبان کی ہمسایہ ہندوستانی زبان جو مغربی ہندی کی ایک شاخ ہے، وہ پورے مشرقی پنجاب میں پھیل گئی اور لہندے کی زبان کو ہٹاتی ہوئی دریائے چناب سے آگے تھل تک پھیل گئی۔ یہ نظریہ حقائق کے بالکل برعکس ہے۔ ہند میں مسلمانوں کی آمد لہندے کی طرف سے ہوئی۔ اس کے بعد مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ جوق در جوق پنجاب سے ہجرت کر کے دہلی اور اس کے نواح میں بستے رہے۔ سکھ بھی پنجاب سے چل کر بانگڑو اور بیکانیری علاقوں میں پہنچے۔ ان واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستانی زبان نے لہندے کی زبان کو پیچھے نہیں دھکیلا بلکہ لہندے کی زبان نے دہلی اور مضافات کی زبان کو متاثر کیا ہے۔

تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ اپنی اصل زبان کو سنبھالنے والے دیہاتی، کسان، چرواہے اسلام کی برصغیر میں آمد کے اثرات سے عربی اور فارسی سے متاثر ہوئے اور شرحِ صدر سے عربی و فارسی کے الفاظ قبول کرتے گئے۔ رچناوی علاقے میں صوفیا و اولیاء کے کثیر تعداد میں قدیم مزارات اور ان میں مدفون اولیاء صوفیا کی تبلیغی مساعی کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہی وہ جغرافیائی خطہ ہے جس کے باشندوں نے حملہ آوروں کی اور زور زبردستی سے حکومتیں قائم کرنے والوں کی زبان کے اثرات سے اغماض برتا مگر مہر و محبت سے دلوں پر حکمرانی کرنے والے اولیاو مبلغین کی زبان کو قبول کیا۔(viii) آج بھی رچناوی زبان میں خالص دیہاتی مرد و خواتین کہ جنھوں نے زندگی میں کبھی کسی سکول کا منہ نہیں دیکھا اور کسی اردو بولنے والے سے ملاقات تک نہیں کی، ایسے الفاظ بولتے ہیں جو عربی اور فارسی سے اردو میں آئے۔

ہمارا مدعا یہ ہے کہ ایسے الفاظ اَن پڑھ دیہاتیوں نے اردو سے نہیں لیے، عربی اور فارسی سے لیے ہیں۔ ذیل میں ان میں سے چند الفاظ بطور مثال پیش کرتے ہیں۔

ملاحظہ، لحظہ، رکاب، رکابی، خارجی، چاہ (کنواں)، وسواس، وسواسی، مقسوم، مردود، صفرا، صُفّہ، صحنک، سفالی، حظ جیسے الفاظ رچناوی گھروں میں مستعمل ہیں۔ کچھ الفاظ ایسے ہیں جو معمولی تبدیلی کے بعد یہاں کے لوگوں کے عام بول چال میں آگئے۔ خیر سَلاّ (خیر و صلاح)،

وسب (وصف)، گلاف (غلاف)، سرپوس (سرپوش)، خیربت (خیرات)، جنجیر (زنجیر)، رذیل، قہری (غصے والا)، قیاس، قیاسی، قضا (موت کا حکم)، صلابت (مضبوطی، رچناوی علاقے کے مَردوں کا نام) وقوف۔ صلاح۔ صرفہ (کفایت شعاری) سلُوک (بمعنی دوستی) زردہ۔ خبیث۔ خنزیر۔ خمیس (جمعرات)۔ طمع۔ سالمَ۔ مرتد۔ رفع دفع۔ نصیب، مُصّلّا۔ قضیّہ۔ مہر (فارسی)۔ شفقت۔ خیر مہر (خیر عربی، مہر فارسی)، خیر و عافیت کے معنی میں مستعمل۔ رنجور (ف)۔ سُنبہ (ف) (برما)۔ مُشک (ف)۔ مُشک (ف) (خوشبو)۔ مُشکی (ف) (سیاہ رنگ کا گھوڑا)۔ رنج (ف)۔ رندہ (ف) واضح رہے کہ یہ ان الفاظ کی چند ایک ایسی مثالیں ہیں جو مکمل ان پڑھ مقامی افراد بولتے ہیں۔

دراصل صوفیائے کرام اور اولیائے عظام سربفلک پہاڑوں، پر خطر راستوں اور لق ودق صحراؤں سے گزر کر جب ان لوگوں تک پہنچے تو ان کا طرزِ معاشرت، تہذیب اور زبان ان نووارد وں کے لیے اجنبی تھی اور یہ مبلغین مقامی باشندوں کے لیے ہر لحاظ سے ناواقف تھے۔ دلوں کو قبضے میں کرنے کے لیے سب سے پہلی چیز ہم زبانی ہے۔ صوفیا، اِس گُر سے واقف تھے۔ چنانچہ انہوں نے باوجود عالم وفاضل ہونے کے مقامی زبان کے اکتساب سے معاملہ کیا اور لوگوں کو انھی کی زبان میں دین اسلام سے روشناس کروایا۔ عربی اور فارسی کے الفاظ انہی صوفیا کے ذریعے مقامیوں تک پہنچے اور مقامیوں کی زبان اِن صوفیا کا چلن قرار پایا۔ رچناوی زبان، جو اصل پنجابی زبان ہے، کی اہمیت سے انکار کے خوگر اس زبان کو (جو صوفیا اور مقامیوں کے اشتراک کی نمائندگی کرتی ہے) مختلف نام دینے کی کوشش کرتے ہیں مگر اسے پنجابی قرار دینے سے گریزاں ہیں۔

مثلاً فرید الدین گنج شکر سے پہلے کے شاعر مسعود سعد سلمان کے حوالے سے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ پنجابی کے شاعر نہیں۔ مسعود سعد سلمان کی لاہور میں سکونت پذیری اور پھر بھی پنجابی میں کوئی دیوان تخلیق نہ کرنے پر حیرت کا اظہار بھی کیا جاتا ہے اور اس کے پنجابی دیوان کو ہندوی کہا جاتا ہے اور مسعود حسین خان کے اس بیان کو رد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ:

> "مسعود سعد سلمان کے ہندوی کلام کا ذکر امیر خسرو تک نے کیا ہے۔ لیکن یہ غالباً لاہوری (پنجابی) میں ہو گا، زبانِ دہلوی میں نہیں"۔ (ix)

اس سلسلے میں سدید الدین محمد عوفی کے فارسی تذکرے "لباب الالباب" کے حوالے کو مسعود حسین خان کے بیان پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اس ترجیحی استرداد وانتخاب کے لیے دلیل یہ دی گئی ہے کہ؛

> "اگر سلمان کا دیوان ہندوی کے بجائے "لاہوری (پنجابی) میں ہوتا تو خسرو اسے لاہوری ہی لکھتے "ہندوی" ہرگز نہ لکھتے" (x)

یہ گتھی یوں سلجھ جاتی ہے کہ امیر خسرو دہلی کی زبان کو "دہلوی" لکھتے ہیں۔ ابوالفضل بھی آئین اکبری میں اس کو "دہلوی" کہتے ہیں۔ شیخ باجن بھی اس کو دہلوی لکھتے ہیں اور جو اس زبان کا نمونہ دیتے ہیں وہ "اردو" ہے گویا اردو دہلی کی قدیم زبان نہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ

دہلی پہنچتی ہے۔ مسلمان پہلے پنجاب کے اس علاقہ میں آئے اور قیام پذیر ہوتے ہیں جو پنجاب کا مغربی علاقہ ہے۔ جسے ہم ملتان کا قدیم خطہ کہتے ہیں۔ ان مسلمان نو واردوں کے اولین بسیرے سندھ اور ملتان میں ہوتے ہیں۔ پھر صفاریوں اور سامانیوں کے اثرات بھی اسی خطے پر مرتب ہوتے ہیں یہ اثرات اتنے گہرے ہیں کہ یہاں آنے والے سیّاح مقامی شہروں اور دریاؤں کے نام فارسی طرز میں لکھتے ہیں۔ چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں آلِ غزنہ کا اقتدار آغاز پذیر ہوتا ہے اور ایک سو ستر برس تک رہتا ہے۔(xi)

آلِ غزنہ سے پہلے مسلمانوں کو یہاں کی مقامی زبان اختیار کرنے کی احتیاج محسوس نہیں بھی ہوتی تو آلِ غزنہ کے طویل عہد میں کوئی نہ کوئی زبان پنجاب میں اختیار کر لی ہو گی جس کو وہ غوریوں کے زمانے میں اپنے ساتھ دہلی لے جاتے ہیں تاکہ معاشرتی، تجارتی اور سرکاری مقاصد پورے ہو سکیں۔ یہی زبان وہ لاہور سے دہلی کو پایہ تخت بنانے کے بعد ساتھ لے گئے۔ دہلی میں برج بھاشا اور دوسری مقامی زبانوں کے اختلاط سے یہ زبان موجودہ اردو کی شکل میں ڈھل جاتی ہے۔

اثر و نفوذ کا یہ سلسلہ آٹھویں صدی میں تغلق، نویں صدی ہجری میں سیّد اور لودھی خاندانوں کے پنجاب سے نکل کر دہلی آنے کی صورت میں جاری رہتا ہے۔ ان نو واردوں نے دہلی کی زبان پر مزید اثرات مرتب کیے۔

قطب الدین ایبک کے قبضہِ دہلی (۶۰۲ھ) کے بعد تختِ لاہور کی دہلی میں منتقلی لاکھوں لوگوں کی پنجاب سے دہلی کی طرف ہجرت کا سبب بنی۔ سلطان محمود نے پنجابیوں کی فطری جرأت مندی اور جسمانی قد و قامت کی بنا پر کثیر تعداد میں پنجابیوں کی فوج بھرتی کی۔ اس کے جانشین بھی اس معاملے میں اس کی تقلید کرتے رہے۔ ایک بڑی تعداد اس حوالے سے دہلی کی طرف ہجرت کرتی ہے۔ ملتانی سوداگر اسی عرصہ میں گروہ در گروہ دہلی میں آباد ہوتے ہیں۔ ایسے امرا اور وسا سلطنت کے معاملات میں بھی شامل ہوتے ہیں۔ ان میں سے کچھ انتہائی اہم عہدوں پر فائز ہوتے ہیں۔(xii)

یوں یہ بات آسانی سے سمجھ آجاتی ہے کہ پنجاب سے دہلی جانے والے مقامی زبان ساتھ لے گئے۔ دہلی کی زبان جسے اردو کہا جاتا ہے کی نشو و نما میں اس نے بنیادی کردار ادا کیا اور یہ زبان دہلی سے ہندوستان کے مختلف علاقوں تک پہنچی۔

"پنجاب میں اردو" حصہ اول میں حافظ محمود شیرانی پنجابی کا دہلی کی زبان پر گہرے اثرات کے حوالے سے ہندوستان میں فارسی لغات نگاروں کے باوا آدم صاحبِ "شرف نامہ" مولانا فخر الدین مبارک قواس غزنوی کی فرہنگ، ضیاء الدین برنی کی تاریخِ فیروز شاہی کی مثالوں سے ثابت کرتے ہیں کہ کھٹ (کھاٹ)، کھنڈ (کھانڈ)، امب (آم)، جموں (جامن)، بھنڈ (بھانڈ)، پگ (پاگ)، کُڈی (گڑیا)، گونگلو (شلغم)، مُنگ (مونگ)، سِکّا (سیسہ)۔ جیسے بہت سے الفاظ برج کی بجائے پنجابی لہجے میں دہلی میں اُس وقت بولے جاتے تھے جب پنجاب کا اثر دہلی کی زبان پر ہو

رہا تھا۔ واضح رہے کہ صاحب شرف نامہ بنگالہ کے باشندے تھے پنجاب کے نہیں۔

پنجابی اور اردو کے رشتے کو سمجھنے کے لیے یہ بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ یہ دونوں زبانیں صرف اور نحو کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر اردو اور پنجابی کی ولادت گاہ ایک ہے تو کون سی پنجابی اردو کی ہم علاقہ ہے۔

ڈاکٹر طاہرہ اقبال اور پروفیسر محمد اقبال عابد نے اپنے ناولوں "نیلی بار" اور "مانگی ہوئی محبت" میں رچناوی زبان کے کثیر الفاظ استعمال کر کے دو جہتوں سے اپنے انفراد کا عَلم بلند کیا ہے۔ ایک تو یہ کہ ان الفاظ سے ناولوں میں بیان کی گئی تہذیب اور رچناوی زبان کا ایک ایسا رشتہ واضح ہوا ہے کہ ان دونوں کو الگ کرنا یا ان کی سرحدوں کی تخصیص کرنا ممکن نہیں رہا۔

شیر افضل جعفری کے شعری مجموعے "سانولے من بھانولے" کے دیباچے موسوم بہ "حرفِ اوّل" میں مجید امجد لکھتے ہیں۔

> "یہاں ضمناً یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ جھنگ کی بولی جسے گریرسن لہندا کے نام سے یاد کرتا ہے، اسی مٹی کی دین ہے۔ اسی دھرتی کی نمود ہے۔ اسی کے سینے پر کبھی ایک پرانی تہذیب آنکھیں ملتی ہوئی بیدار ہوئی تھی۔ اس تہذیب کے ڈانڈے اس زبان سے ملے ہوئے تھے جو ہڑپہ کے کتبوں کی صورت میں محفوظ ہے اور جو آج تک نہیں پڑھی گئی۔ باوجود تمام تحقیقی کاوشوں کے تاہنوز اردو کے نقطہ آغاز کا مسئلہ پوری طور سے طے نہیں ہو سکا لیکن اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اردو کے ارتقاء میں جہاں اور بولیوں اور پراکرتوں نے حصہ لیا ہے اس پنجابی بولی نے بھی جو جھنگ، سرگودھا، منٹگمری کے اضلاع میں بولی جاتی ہے اور جس کو گریرسن نے مشرقی ہندی سے جداگانہ بولی تصور کیا ہے کسی نہ کسی حد تک اردو کے مزاج اور منہاج کی نشان دہی کی ہے"۔(xiii)

مندرجہ بالا ساری صورتحال اور شواہد کے بعد یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ پنجابی جس نے اردو کے ساتھ ایک ہی علاقہ میں تربیت پائی ہے، وہی ہو سکتی ہے جو کلاسیکی شعرائے پنجابی کی ہے اور حافظ محمود شیرانی اسے ملتانی قرار دیتے ہیں۔

> "شہادت لسانی اور اُردو، ملتانی، پنجابی کی مماثلت، اس کے متعلق شہادت لسانی کافی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اردو اپنی صرف و نحو میں ملتانی زبان کے بہت قریب ہے۔ دونوں میں اسما و افعال کے خاتمے میں "الف" آتا ہے۔ دونوں میں جمع کا طریقہ مشترک ہے۔ یہاں تک کہ دونوں جمع کے جملوں میں نہ صرف جملوں کے اہم اجزا بلکہ ان کے توابعات و ملحقات پر بھی ایک ہی قاعدہ جاری ہے۔ دونوں زبانیں تذکیر و تانیث کے قواعد، افعال مرکبہ و توابع میں متحد ہیں۔ پنجابی و اردو میں ساٹھ فی صد سے زیادہ الفاظ مشترک

ہیں"۔(xiv)

کلاسیکی شاعروں کی زبان کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ وہی جانگلی (رچناوی) زبان ہے جس سے تضحیک آمیز رویہ روا رکھا جاتا ہے۔ یہاں ہم ایک لفظ گھت، گھتو اور گھتنا کو بطور مثال پیش کرتے ہیں جو اب رچناوی میں مستعمل ہے حالانکہ پنجابی میں کلاسیک شعرا نے بھی اسے کثرت سے برتا ہے۔ جبکہ اب اس کی جگہ پنجابی میں "پادیو" کا لفظ برتا جاتا ہے اور اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے یہاں چند ان شعرا کا تذکرہ بھی ضروری ہے جو اس لفظ کو کثرت سے استعمال کرتے ہیں حالانکہ وہ رچناوی علاقے سے تعلق نہیں رکھتے۔ جن میں پیلو (اس کا تعلق ضلع امرتسر سے تھا)، حافظ برخوردار (ان کا تعلق ضلع سیالکوٹ سے تھا)، پیر محمد شاعر (ضلع گجرات سے تعلق رکھتے تھے)، مولوی احمد یار (گجرات)، مولوی غلام رسول (گوجرانوالہ) وغیرہ شامل ہیں۔ ان کا ذکر اس لیے ضروری ہے کہ ان کلاسیک شعرا نے رچناوی کے کثیر الفاظ شاعری میں استعمال کیے ہیں اور وہ لفظ جسے موجودہ دور میں بنظرِ تحقیر دیکھا جاتا ہے وہ بھی ان کے ہاں مستعمل رہا۔ ایک مثال ملاحظہ کیجیے۔

"جس گھر لائیے دوستی مول نہ گھتیئے لَت
سٹھیں ہتھ نہ آوندی دانشمنداں دی پت"(xv)

یہ شعر پیلو کا ہے جو ۱۶۵۶ء میں فوت ہوا۔ جس کا تعلق چڑھتے پنجاب کے ضلع امرتسر سے ہے جو رچناوی علاقے کا ضلع نہیں۔ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر نے ایسے بہت سے حوالے اپنی کتاب میں درج کیے ہیں۔ یہاں ان سب باتوں کا مقصود یہ ہے کہ ان لفظوں کو کلاسیک شعرا نے کمال مہارت اور خوبصورتی سے جزبات کے اظہار کا وسیلہ بنایا ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے الفاظ ہیں جسے رچناوی خطے میں بسنے والے افراد اپنی بول چال میں استعمال کرتے ہیں لیکن پنجابی میں ان کا لہجہ اور تلفظ اب بدل چکا ہے۔ ان تمام مثالوں سے ہمارا مقصود یہ تھا کہ طاہرہ اقبال اور اقبال عابد نے اپنے ناولوں میں انہی لفظوں کو اس خطے کے باسیوں کے مخصوص لب و لہجے کے ساتھ برت کر کلاسیکی پنجابی زبان سے جہاں گہری وابستی کا اظہار کیا ہے وہیں اس زبان کی ابلاغی قوت کا اظہار بھی ان کے کرداروں کے مکالمات میں مضمر نظر آتا ہے جس سے اس خطے کی تہذیب اور اس کی زبان کی بھرپور ترجمانی ہوتی ہے۔

بعد میں متاخرین نے نامعلوم وجوہات اور اصلاح زبان کے نام پر ان لفظوں کو نکال باہر کیا جس سے پنجابی زبان کا دائرہ (دراصل رچناوی) محدود ہوتا گیا۔ اس کے علاوہ دونوں ناول نگاروں نے اپنی تصانیف میں اردو کے وہ الفاظ بھی برتے ہیں جو قدیم اردو میں تو شامل تھے لیکن بعد میں اصلاح زبان کے نام پر انھیں اردو سے خارج کر کے اس زبان کی وسعت کو تنگ دامنی کی طرف دھکیل دیا گیا۔ ان میں سے کچھ الفاظ کی فہرست ذیل میں دی جاتی ہے۔

"مانگی ہوئی محبت" میں شامل وہ الفاظ جو قدیم اُردو میں بھی تھے۔

- آکھاں (کہوں) مانگی ہوئی محبت، ص ۵۴ آکھنا (کہنا) قدیم اُردو کی لغت، ص ۱۱
- سُول (کانٹا) مانگی ہوئی محبت، ص ۵۴ سُول (کانٹا) قدیم اُردو کی لغت، ص ۱۴۵
- بالن (جلانے کی لکڑی / ایندھن) مانگی ہوئی محبت، ص ۵۴ بالنا (جلانا) قدیم اُردو کی لغت، ص ۳۵
- ڈھنڈودی (تلاش کرتی) مانگی ہوئی محبت، ص ۵۴ ڈھنڈولنا (تلاش کرنا) قدیم اُردو کی لغت، ص ۱۲۱
- پائیاں (پایا) مانگی ہوئی محبت، ص ۵۴ پائیا (پالیا) قدیم اُردو کی لغت، ص ۵۹
- آلا (طاقچہ) مانگی ہوئی محبت، ص ۵۶ آلا (طاقچہ) قدیم اُردو کی لغت، ص ۱۲
- کُنڈ (تالاب) مانگی ہوئی محبت، ص ۴۲ کُنڈ (تالاب) قدیم اُردو کی لغت، ص ۱۶۴
- تسلا۔ (تھال کی طرح کا ایک برتن) مانی ہوئی محبت، ص ۲۷ تسلا (تھال کی طرح کا ایک برتن) قدیم اُردو کی لغت، ص ۷۸
- بانگ (اذان) مانگی ہوئی محبت، ص ۳۷ بانگ (اذان) قدیم اُردو کی لغت، ص ۳۶
- پور (بستی) مانگی ہوئی محبت، ص ۳۲۵ پور (بستی) قدیم اُردو کی لغت، ص ۶۷
- پیکا (میکہ۔ماں کا گھر) مانگی ہوئی محبت، ص ۱۱۶ پیکا (میکہ) قدیم اُردو کی لغت، ص ۷۳
- پیو (باپ) مانگی ہوئی محبت، ص ۱۱۶ پیو (محبوب) قدیم اُردو کی لغت، ص ۷۳
- چونی (چننے والی) مانگی ہوئی محبت، ص ۱۱۸ چوننا (چننا) قدیم اُردو کی لغت، ص ۱۰۲
- گاوّن (گانا گیت) مانگی ہوئی محبت، ص ۱۴۳ گاوَن (گانا گیت) قدیم اُردو کی لغت، ص ۱۷۴
- پُور (بھری ہوئی بیڑی) مانگی ہوئی محبت، ص ۱۴۴ پُور (بھرا ہوا) قدیم اُردو کی لغت، ص ۶۷
- سجن۔ دوست مانگی ہوئی محبت، ص ۱۴۶ سجن (دوست) قدیم اُردو کی لغت، ص ۱۳۴
- ایہہ (یہ) مانگی ہوئی محبت، ص ۱۴۸ ایہہ (یہ) قدیم اُردو کی لغت، ص ۳۳
- کرسیں (کریں گے) مانگی ہوئی محبت، ص ۱۴۸ کرسیں (کرے گا) قدیم اُردو کی لغت، ص ۱۶۰
- ہوندی اے (ہوتی ہے) مانگی ہوئی محبت، ص ۱۶۳ ہوونا (ہوتا) قدیم اُردو کی لغت، ص ۲۱۴
- لاوُن (لگانے والا سالن) مانگی ہوئی محبت، ص ۱۶۴ لاونا (لگانا) قدیم اُردو کی لغت، ص ۱۸۲

- ویلا(وقت) مانگی ہوئی محبت، ص۱۸۵ ویلا(وقت) قدیم اُردو کی لغت، ص۲۱۱
- پگ(پگڑی) مانگی ہوئی محبت، ص۱۲۵ پگ(پگڑی) قدیم اُردو کی لغت، ص۶۵
- لکھت(لکھائی) مانگی ہوئی محبت، ص۱۲۸ لکھت قدیم اُردو کی لغت، ص۱۸۴
- واگھ(باگھ۔شیر) مانگی ہوئی محبت، ص۱۳۷ باگ(باگھ) قدیم اُردو کی لغت، ص۳۵
- پرات(طشتری) مانگی ہوئی محبت، ص۶۱ پرات(طشتری) قدیم اُردو کی لغت، ص۶۱
- کدوں۔کب مانگی ہوئی محبت، ص۱۴۱ کداں(کب) قدیم اُردو کی لغت، ص۱۵۹
- آؤن۔آنا مانگی ہوئی محبت، ص۱۴۱ آؤن(آنا)قدیم اُردو کی لغت، ص۱۲
- پتر۔بیٹا مانگی ہوئی محبت، ص۱۴۲ پتر(بیٹا) قدیم اُردو کی لغت، ص۵۹
- سیانا۔سمجھدار مانگی ہوئی محبت، ص۱۸۵ سیاناں(سمجھدار) قدیم اُردو کی لغت، ص۱۴۶
- نیاں۔انصاف مانگی ہوئی محبت، ص۲۰۷ نیاؤ(انصاف) قدیم اُردو کی لغت، ص۲۰۷
- مان(عزت لینا) مانگی ہوئی محبت، ص۲۰۹ ماننا(مان کامصدر عزت پانا) قدیم اُردو کی لغت، ص۱۸۸
- سائیں(مالک) مانگی ہوئی محبت، ص۲۱۱ سائیں(مالک) قدیم اُردو کی لغت، ص۱۳۲
- لُک(چھپ) مانگی ہوئی محبت، ص۲۱۱ لکنا(چھپنا) قدیم اُردو کی لغت، ص۱۸۴
- وسایا(آباد کیا) مانگی ہوئی محبت، ص۲۱۲ وسن(قیام، آباد ہو جانا)قدیم اُردو کی لغت، ص۲۰۹
- پورہ(بستی) مانگی ہوئی محبت، ص۲۱۴ پور(بستی، شہر) قدیم اُردو کی لغت، ص۶۷
- گھُوک(گہری نیند) مانگی ہوئی محبت، ص۲۲۴ گھوک(گہرا) قدیم اُردو کی لغت، ص۱۸۰
- انت(انتہا) مانگی ہوئی محبت، ص۱۷۴ انت قدیم اُردو کی لغت، ص۲۶
- پُچھ(پوچھ) مانگی ہوئی محبت، ص۲۴۳ پُچھ(پوچھ) قدیم اُردو کی لغت، ص۶۱
- لوو(لو) مانگی ہوئی محبت، ص۲۴۳ لوو(لو) قدیم اُردو کی لغت، ص۱۸۶
- بھلا(بھلا آدمی) مانگی ہوئی محبت، ص۲۴۶ بھلا(بھلا آدمی) قدیم اُردو کی لغت، ص۵۱

- سوہنا(خوبصورت) مانگی ہوئی محبت، ص ۲۵۰ سوہن(خوبصورت) قدیم اُردو کی لغت، ص ۱۴۵
- ہنڈولے(پنگھوڑے) مانگی ہوئی محبت، ص ۲۵۲ ہنڈول(پنگھوڑا) قدیم اُردو کی لغت، ص ۲۱۳(xvi)

"نیلی بار" میں شامل وہ الفاظ جو قدیم اُردو میں بھی تھے۔

- آلس(سُستی) نیلی بار، ص ۱۸۵ الس(سُستی) قدیم اُردو کی لغت، ص ۱۲
- چونڈے(عورتوں کے سر کے بال) نیلی بار، ص ۱۸۹ چونڈے قدیم اُردو کی لغت، ص ۱۰۲
- کاڑھنی(دودھ کو کاڑھنے والا برتن) نیلی بار، ص ۱۹۲ کاڑھنا(رقیق کرنا) قدیم اُردو کی لغت، ص ۱۵۵
- بھاڑا(کرایہ) نیلی بار، ص ۲۲۰ بھاڑا(کرایہ) قدیم اُردو کی لغت، ص ۴۸
- بھوگ(بھگتنا، لذت) نیلی بار، ص ۲۲۳ بھوگ(بھگتنا) قدیم اُردو کی لغت، ص ۵۳
- ہور(اور، دوسرا) نیلی بار، ص ۲۶۵ ہور(اور، دوسرا) قدیم اُردو کی لغت، ص ۲۱۴
- آوی(بھٹی) نیلی بار، ص ۲۷۰ آوی(بھٹی) قدیم اُردو کی لغت، ص ۱۳
- اسارا(بنانا، تعمیر کرنا) نیلی بار، ص ۲۳۹ اسارا(چھپر، تعمیر کرنا) قدیم اُردو کی لغت، ص ۲۲
- گھنے(بہت، زیادہ، بڑے) نیلی بار، ص ۲۴۴ گھناں(بڑا، بہت) قدیم اُردو کی لغت، ص ۱۸۰
- ویلا(وقت) نیلی بار، ص ۲۶۹ ویلا(وقت) قدیم اُردو کی لغت، ص ۲۱۱
- لوتھ(لاش) نیلی بار، ص ۴۳۰ لوتھ(لاش) قدیم اُردو کی لغت، ص ۱۸۵
- گوڈا(گھٹنا) نیلی بار، ص ۴۳ گوڈا(گھٹنہ) قدیم اُردو کی لغت، ص ۱۷۸
- سواد(مزہ، ذائقہ) نیلی بار، ص ۲۲۸ سواد(ذائقہ) قدیم اُردو کی لغت، ص ۱۴۳
- لت(لات) نیلی بار، ص ۴۰ لت(لات) قدیم اُردو کی لغت، ص ۱۸۲
- لیکھ(قسمت) نیلی بار، ص ۴۳ لیکھ(قسمت) قدیم اُردو کی لغت، ص ۱۸۶
- نمانی(جھکی ہوئی عاجز) نیلی بار، ص ۶۳ نمانی(جھکی ہوئی) قدیم اُردو کی لغت، ص ۲۰۵
- چٹا(سفید) نیلی بار، ص ۱۰۲ چٹا(سفید) قدیم اُردو کی لغت، ص ۹۷
- اگاں(آگے) نیلی بار، ص ۴۷ اگو(آگے) قدیم اُردو کی لغت، ص ۲۴

- ڈب (دھوتی کا سرا) نیلی بار، ص۱۶ ڈب (کمر) قدیم اُردو کی لغت، ص۱۲۰
- چوکھیرا (اچھا، بہت) نیلی بار، ص۶۶ چوکھا (بہت، اچھا) قدیم اُردو کی لغت، ص۱۰۱
- ورتائیاں (تقسیم کیں) نیلی بار، ص۶۸ ورتائیاں (تقسیم کیں) قدیم اُردو کی لغت، ص۲۰۹
- جوگے (لائق) نیلی بار، ص۶۸ جوگے (لائق) قدیم اُردو کی لغت، ص۹۱
- بچڑا (بیٹا، بیٹی) نیلی بار، ص۵۵ بچڑا (چوزہ) قدیم اُردو کی لغت، ص۳۸
- جھبدے (جلدی) نیلی بار، ص۵۹ جھپ (جلدی) قدیم اُردو کی لغت، ص۹۲
- بُہاری (جھاڑو) نیلی بار، ص۷۵ بُہارنا (جھاڑو دینا) قدیم اُردو کی لغت، ص۴۷
- بُھک (بھوک) نیلی بار، ص۲۹۲ بُھک (بھوک) قدیم اُردو کی لغت، ص۵۱
- نیاں (انصاف) نیلی بار، ص۴۰ نیاو (انصاف) قدیم اُردو کی لغت، ص۲۰۷
- سوہنا (خوبصورت) نیلی بار، ص۳۵۳ سوہن (خوبصورت) قدیم اُردو کی لغت، ص۱۴۵
- پائیاں (پائیں، ڈالی) نیلی بار، ص۲۱ پائیا (پالیا، ڈالا) قدیم اُردو کی لغت، ص۵۹
- سائیں (مالک) نیلی بار، ص۴۰ سائیں (مالک) قدیم اُردو کی لغت، ص۱۳۲
- پراتیں (طشتریاں) نیلی بار، ص۲۶ پرات (طشتری) قدیم اُردو کی لغت، ص۶۱
- ماڑیاں (دومنزلہ مکان) نیلی بار، ص۱۷۵ ماڑی (دومنزلہ مکان) قدیم اُردو کی لغت، ص۱۸۷
- بھار (وزن) نیلی بار، ص۱۴۵ بھار (وزن) قدیم اُردو کی لغت، ص۴۸
- ہنڈولے (پنگھوڑے) نیلی بار، ص۲۵۰ ہنڈول (پنگھوڑا) قدیم اُردو کی لغت، ص۲۱۳
- تتی (گرم) نیلی بار، ص۳۳۸ تتا (گرم) قدیم اُردو کی لغت، ص۷۴
- ساورے (سسرال) نیلی بار، ص۶۰ آساوری (سسرال) قدیم اُردو کی لغت، ص۱۱
- لانگھا (کودا، پھاندنا) نیلی بار، ص۱۹ اولنگنا (کودنا، کود کر اس پار جانا) قدیم اُردو کی لغت، ص۳۴
- بانگیں (اذانیں) نیلی بار، ص۲۶۵ بانگ (اذان) قدیم اُردو کی لغت، ص۳۸

- مکیاں (مُکا) نیلی بار، ص۴۷ مکی (مُکا) قدیم اُردو کی لغت، ص۲۰۷
- جھالو (مددگار) نیلی بار، ص۴۷(xvii) رب جھالو (خدا کا سایہ) قدیم اُردو کی لغت، ص۱۳۲(xviii)

نیلی بار اور مانگی ہوئی محبت میں برتی گئی رچناوی زبان سے نہ صرف اس کی لسانی اہمیت اُجاگر ہوتی ہے بلکہ تہذیبی تفہیم میں بھی معاونت ملتی ہے وہ یہ ہے کہ دونوں ناول نگار زندگی اور اس کے متعلقات کا گہرا سماجی شعور رکھتے ہیں۔ اتفاقاً دونوں کی جنم بھومی بار کا یہی خطہ ہے۔ یہاں کی زبان ہر دوناول نگاروں کی مادری زبان ہے اس لیے رچناوی زبان کے ضرب المثل اور محاورات کا استعمال بھی ہمیں ان کی تخلیقات میں دکھائی دیتا ہے۔ رچناوی میں ضرب الامثال کو "اکھان" کہا جاتا ہے۔ جسے دیہات کے ان پڑھ مرد و خواتین اپنی روزمرہ زندگی میں صورت واقعہ کے تحت استعمال کر کے اپنی بات کا وزن بڑھاتے ہیں جس سے کلام کی بلاغت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ طاہرہ اقبال اور اقبال عابد نے ان محاورات اور اکھانوں کے بہترین استعمال سے جہاں اس سرزمین کی تمدنی اور معاشرتی زندگی کو اُجاگر کیا ہے وہیں اس زبان کی اہمیت بھی خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ خیالات و جذبات کے موثر اظہار کے لیے یہ جانگلی یا رچناوی، پنجابی زبان کے دیگر لہجوں سے کسی صورت کم تر نہیں ہے۔

وارث سرہندی کہاوتوں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

> "کہانیوں کی طرح کہاوتوں کا مطالعہ بھی مطلق طور پر لسانی نہیں بلکہ ثقافتی مطالعے سے تعلق رکھتا ہے۔ ان سے معاشرے کے مزاج، رہن سہن، عادات، رسومات، اخلاقیات، اقدار و عقائد، ذہنی جودت اور تخلیقی صلاحیت پر روشنی پڑتی ہے۔ ان میں تاریخی واقعات، شخصیات، حکایات، تصورات اور امنگوں کی طرف بھی حوالے ہوتے ہیں"(xix)

درج بالا اقتباس اس بات کا غماز ہے کہ محاورات اور کہاوتیں ہر دو لحاظ سے انسانی امنگوں کی ترجمان ہوتی ہیں۔ لہذا اب ہم دونوں ناول نگاروں کے ہاں ان کے استعمال کا فرداً فرداً جائزہ لیں گے اور یہ دیکھیں گے کہ کس طرح ان محاورات اور اکھانوں کے استعمال سے بار کے باسیوں کی تہذیبی و معاشرتی رویوں اور سوچ کی عکاسی گہری معنویت میں ڈھل جاتی ہے۔ نیلی بار سے لیے گئے محاورات اور اکھان درج ذیل ہیں۔

- کالیاں تو بگے آ گئے (ص۸۸) سیاہ بالوں کا سفید ہو جانا یعنی عمر کا ڈھل جانا۔
- ٹچکریں کرنا (ص۹۲) طنز کرنا، تضحیک کرنا اور مضحکہ اڑانا۔
- کنوارنوں ڈھڈ ہو گیا (ص۹۳) کنواری لڑکی کا حاملہ ہو جانا۔

- مکّو ٹھپنا(ص۹۵) کسی کو اس کی اوقات میں رکھنا، کام تمام کرنا۔
- چپ دی مٹھ وچ گھٹیج گئی(ص۹۷) اپنے اندر کی گھٹن سے خود بخود مر جانا۔
- چٹا جھاٹا پر عقل نہ آئی(ص۹۸) عمر رسیدہ ہونے کے باوجود کھلنڈرے مزاج کے حامل شخص کی بابت بولا جاتا ہے۔
- پچھاڑیں کھانا(ص۱۰۰) درد اور تکلیف کی شدت کو بیان کرنے کے لیے یہ محاورہ بولا جاتا ہے۔ سخت تکلیف اور اذیت میں مبتلا ہونا۔
- کل جگ ہے(ص۱۰۸) سارا نظام چوپٹ ہو چکا ہے۔ اندھیر نگری کا زمانہ ہے۔
- چڑھی مارنا(ص۱۱۰) اپنی حیثیت سے بڑھ کر بات کرنا یا اگلے کو کمتر ثابت کرنے کے لیے لمبی چھوڑنا۔ مخالف فریق کو نیچا دکھانے کا ایک طریقہ۔
- جادھیئے راوی نہ کوئی آوی تے نا کوئی جاوی(ص۱۰۴) جب بیٹی بہت دور بیاہ دی جائے اور اس سے میل ملاقات مشکلوں سے ہو تب یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔
- ککڑی بانگیں دینے لگے تو چھری تھلے دیتے ہیں(ص۱۰۵) اگر عورت حکمرانی کی دعوے دار ہونے لگے تو اس کا کام تمام کر دینا چاہیے۔
- اوڑھ پوڑھ کرنا(ص۱۱۱) ہر طرح سے کوشش کرنا۔
- کچھ دُکھاں ماریا، کچھ بُھکاں ماریا کچھ جیوندیاں ماریا تے کچھ مویاں ماریا(ص۱۰۴)

کچھ زندگی کی صعوبتوں اور غربت و افلاس نے انسان کو مارا ہے تو کچھ رشتے ناطوں کے تفاضل نے۔(xx)

"نیلی بار" میں برتے گئے محاورات اور اکھانوں کا اجمالاً جائزہ لینے کے بعد اب "مانگی ہوئی محبت" میں اقبال عابد نے ان کہاوتوں کو تہذیبی و معاشرتی تناظر میں کس طرح برت کر اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو اذنِ اظہار بخشا ہے، ایک نظر اس کو بھی دیکھ لیتے ہیں تاکہ رچناوی زبان کی لسانی حیثیت کو تہذیب کے تفہیمی ربط کے ساتھ واضح کیا جا سکے۔

- کھمب ٹھپنا(ص ۱۳۰) طاہرہ اقبال نے کھمب ٹھپنا کا مترادف مکو ٹھپنا استعمال کیا ہے۔ اس کے معنی بھی "اوقات یاد دلانا" کے ہیں۔
- اُگھ سُگھ لینا(ص ۱۳۷) خیر خبر لینا، جاسوسی کرنا، جانچ پڑتال کرنا۔
- پہاں بھار کھلونا(ص ۱۴۳) شدت سے کسی کا منتظر ہونا۔ اس میں اذیت اور کربناکی کی کیفیت پائی جاتی ہے۔
- "مامے تہاڈے دی اکھیں تے ہتھ اے"(ص ۱۴۵) قریب المرگ ہونا۔
- پیٹ تو ہر شے ہیٹھ ہوندی اے(ص ۱۳۱) اپنی اولاد سے بڑھ کر کچھ بھی زیادہ عزیز نہیں ہوتا۔
- اساڈانیاں کرچا(ص ۱۳۴) ہم سے قسم لے لو۔
- گھوک سونا(ص ۱۳۸) گہری نیند سونا۔
- بھلیاں نوں بھلی لاج(ص ۱۴۱) اچھے لوگوں کے ساتھ قدرت بھی اچھا کرتی ہے۔
- منہ دے بھار ڈھونٹراں(ص ۱۴۴) سخت اذیت پہنچنا۔
- روٹی نال لاون ضروری اے(ص ۱۳۲) کچھ چیزیں ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی یعنی لازم وملزوم ہوتی ہیں۔ ان کو الگ نہیں کرسکتے۔
- تیرا دن دے ہی نہیں سکدے(ص ۴۲) احسان کا بدلہ کبھی نہیں اتار سکتے۔
- اللہ دشمناں نوں نال پھرائے(ص ۱۴۸) دشمن نیست ونابود ہو جائیں۔ مرکھپ جائیں، برباد ہوں۔
- بوٹا تَم ہونا (ص ۱۵۲) آگے نسل نہ چل پانا۔
- کھاہنڈا بیٹھا(ص ۱۴۷) عمر گزار چکنا۔
- اساہتھوں لتھی تے بہاب کیاں تے پئی(ص ۱۴۶) ذمہ داری کا کسی دوسرے کے سر پر پڑنا۔
- ہاڑا کرنا(ص ۱۵۰) منت سماجت کرنا، قسمیں دینا۔
- ونگارویاں ڈھاڑیں کدے نہیں لڑیاں(ص ۱۴۹)

اپنے حق کو حاصل کرنے کے لیے خود لڑنا پڑتا ہے۔ کوئی تیسرا فریق مددگار ثابت نہیں ہوتا۔(xxi)

اہم بات یہ ہے کہ دونوں ناول نگاروں کے ہاں رچناوی زبان کے حوالے سے پایا جانے والا یہ تخلیقی اشتراک سیاق وسباق کی تفہیمی معاونت کی بدولت بیانیے کی روانی میں قاری کے لیے کسی پریشانی یا جھنجھلاہٹ کا باعث نہیں بنتا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ کہانی اپنے جغرافیائی، تہذیبی و ثقافتی اور لسانی خدوخال کی دل آویز آرائش کے ساتھ آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔

جہاں ہم نے اس زبان کی قدیم اردو کے ساتھ مماثلت کو ثابت کیا ہے وہیں اگر کہانی کے لوکیل سے ہم آہنگ اس مقامی زبان (جانگلی) کے الفاظ جو دونوں ناولوں میں استعمال ہوتے ہیں کو اکٹھا کیا جائے تو ایک فرہنگ بھی مرتب ہو سکتی ہے۔ کیوں کہ بہت سے الفاظ ایسے بھی ہیں جنہیں اب اس خطے میں بسنے والی نوجوان نسل (جنہیں شہروں کی ہوا لگ چکی ہے)، شعوری طور پر بولنے سے اجتناب برتنے لگی ہے۔ کیونکہ اس زبان کو اُجھیجڑ لہجہ کہہ کر مطعون کرنے کی روایت ہمارے شہری سماج میں آج بھی برقرار ہے طاہرہ اقبال اور اقبال عابد نے ان لفظوں کے بہ کثرت استعمال سے اپنی دھرتی اور اس کے باسیوں کے ساتھ اپنی محبت کا والہانہ ثبوت پیش کیا ہے۔ ذیل میں دونوں ناولوں میں برتے گئے ایسے چند الفاظ ملاحظہ کیجئے۔

مانگی ہوئی محبت سے منتخب کردہ الفاظ:

پھنڈر (وہ بھینس جو نہ دودھ دے سکتی ہو اور نہ ہی بچہ جن سکتی ہو، جسے صرف ذبح کیا جا سکے)، گوہے ریوڑی (گایوں اور بھینسوں کے گوبر میں گارا ملا دیا جائے تو اسے گوہے ریوڑی کہتے ہیں)، بھاؤ (اے بھائی، بھرا)، ملویر (ماموں کی بیٹی یا بیٹا)، پرچانا (کسی کی وفات پہ افسوس کرنے جانا)، پھوپھیر (پھوپھو کی بیٹی یا بیٹا)، جھوٹے (جھولے)، بیڑی (کشتی)، آلا (دیوار میں بنا طاقچہ جس میں استعمال کی چھوٹی موٹی چیزیں رکھی جاتی ہیں جیسے سرسوں کا تیل، شیشہ، کنگھی، سُرمہ)، سُرکنا (لسی کے ساتھ روٹی کھانا)، دیساں (دوں)، وِتّھوں (دوریاں)، سُجاگ (سحر خیز)، منیندا (ماننا)، ٹّم ہونا (ختم ہو جانا)، لاون (سالن)، شالا (خدا کرے)، ستھر (فوتگی والا گھر، جہاں زمین پر دریاں بچھا کے گھر والے بیٹھتے ہیں اسے ستّھر کہتے ہیں)، کندوریاں (روٹی رکھنے والے پوُنے) اور پُراپھ (چار سال کی اونٹنی)۔

نیلی بار سے منتخب کردہ الفاظ:

کھلیج (کھل ج- انا)، لوتھ (لاش، بھاری جسامت)، ہونجے (جانوروں کا چارہ)، لڑ (کسی چادر کے پلوئے)،

ٹوماں (زیورات)، دھمی (صبح)، ٹکر (روٹی)، پھدتیج (پکڑا گیا)، ترونکے (چھڑکاؤ)، پئی (پڑی)، مقال (بات چیت)، جندرے (تالے)، باج (بغیر)، پتھلا (چوکڑی مارنا)، گھت (ڈالنا)، بوتھا (چہرہ، شکل)، تون (آٹے کو گوندھ کے حتمی شکل دینا)، اجیا (خاص)، ڈھ (گر جانا)، سٹ (پھینک، چوٹ)، جیویں (جیسے)، رُجھی (مصروف) اور پیڈا (سخت)۔

رچناوی الفاظ، محاورات اور کہاوتوں کا کثرت سے استعمال گہرے مشاہدے کے بنا ممکن نہیں۔ یہ زبان اس قدر متمول ہے کہ اسے کسی بھی صنف میں اظہار خیال کے لیے مات نہیں دی جاسکتی۔ ضرورت ہے تو اس امر کی کہ اس زبان پر اپنوں اور غیروں نے جو تہمتیں لگائی ہیں یا اسے نظر انداز کرنے کا جو وطیرہ اپنایا جاچکا ہے اس روش سے ہٹ کر اس میں پائے جانے والے تخلیقی امکانات کو روشن کیا جائے۔

مانگی ہوئی محبت کا مرکزی کردار غوث علی ایک مقام پر اپنی میت کو چشم تصور سے گھر کے آنگن میں دھری پاتا ہے تو اس کے گوشِ تخیل ماں کے جو جگر دوز بین سنتے ہیں وہ خالص رچناوی رنگ لیے ہوئے ہیں۔

"چنگی نہ کیتیا ای میرا پتر او۔۔ بڈھڑی ماں تے ترس نہ کھد ہوئی میرا پتر او۔۔ ہر کہیں نال چنگے کرن آلا پتر او۔۔۔ آرزو کو مخاطب کر کے۔۔۔۔ چرکی آپڑیوں میری دھی آ۔۔۔۔ کہیاں چاپایونی وِتھوں آلی آ۔۔۔ کہیڑے اَوترے چاپائے نکھیڑے آلی آ۔۔۔۔ میرا سجاگ پتر اج نیوں پیا اُٹھیندا۔ نی تیریاں نیندا ہائیا، اج سُتے نوں اُٹھا میری دھی آ" (xxii)

شدت غم کے اظہار کے لیے اس سے بہتر الفاظ کا شاید ہی انتخاب ہو۔ الفاظ کا چناؤ، لہجے کا زیر و بم ہو بہو وہی ہے جو رچناوی علاقے کی خواتین کسی مرگ پہ اپناتی ہیں۔ دراصل رچناوی زبان کی یہ خاصیت ہے کہ نوحہ خوانی اسی میں جچتی ہے اسی لیے اہل تشیعہ کے نوحہ خوانوں کی کثیر تعداد اسی خطے کے لوگوں کی مقبول ہے۔ ناول نگار کا ایک ایک لفظ درد و الم کا ترجمان ہے۔

طاہرہ اقبال اپنے ایک انٹرویو میں بتاتی ہیں۔

"الفاظ، علامتیں، محاورے، اندازِ تکلم خود اپنے ماحول کے عکاس ہیں۔ اگر اس انداز کو بدلا جائے تو شاید واقعات و کردار مصنوعی لگیں۔ کہانی کار کہانی کی اٹھان، ساخت، ماحول، زبان اور مزاج کے سامنے بالکل بے بس ہوتا ہے۔ کہانی اپنا راستہ خود بناتی چلی جاتی ہے اور جس پس منظر سے اٹھتی ہے انھی فضاؤں میں سانس لیتی اور اس کی نمائندہ ٹھہرتی ہے" (xxiii)

طاہرہ اقبال کے ہاں رچناوی تہذیب و زبان کا اپنے منفرد اسلوب کے تحت جو دلکش تخلیقی وفور نظر آتا ہے اس کی بدولت وہ اکیسویں صدی کی صف اول کی تخلیق کاروں میں شمار ہوتی ہیں۔ رچناوی زبان میں لکھا گیا نیلی بار سے ایک مکالمہ دیکھیے جس سے اس خطے کے باسیوں کی سوچ، خوف اور توہم کی بہترین عکاسی ہوتی ہے۔

"نی بڈھی کھوسٹ کی پئی بکنی ایں۔۔۔۔کسے کنج کنواری نوں بنی تے پیغمبر کویں ڈھی سکدا اے"(xxiv)

یہ مختصر سا مکالمہ معاملے کی سنگینی کا پورا پتہ دے رہا ہے۔ طاہرہ اقبال نے جس کثرت سے رچناوی زبان کو مکالمات میں، بیانیے میں رسوم و روایات کی پیشکش میں سمویا ہے وہ انداز حقیقی بھی ہے اور دلفریب بھی انہوں نے اس حوالے سے معلومات اِکٹھی نہیں کی ہیں بلکہ ان کا مرز بوم بار کی یہی سرزمین ہے۔ انہوں نے اسے صرف قریب سے دیکھا ہی نہیں اس کے دکھ سکھ، ریت روایات اور انداز زیست کو خود برتا ہے اس لیے اُن کے ہاں بناوٹ کا شائبہ تک نہیں۔ شادی بیاہ پر دُلہن کی سج دھج کے حوالے سے عورتوں کی گفتگو کو انہوں نے ہو بہو اسی انداز اور لب و لہجے میں کمال خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

"نی اے انعام کتھوں گھڑوایا ای۔ تولے داتے ہو سی، نی اے لونگ ڈھڈا پیا سجدا اے۔ ہیں نی پٹولے وانگ
تے کُڑی اے، سچ کیوں نا۔ ہائے نی تجھے کنجری ہار وپ چڑھا ہے"۔(xxv)

اس کے علاوہ "نیلی بار" میں مرقوم گیت، سہرے، ڈھولے، ماہیے اور ٹھنیاں بھی اس زبان میں پائے جانے والے تخلیقی امکانات کی عمدہ مثال ہیں۔

اب آخر میں مختصراً اس بات کا جائزہ بھی لے لیتے ہیں کہ رچناوی زبان کو "جانگلی" کہنے کی وجہ کیا ہے؟ رچناوی کے مرکزی علاقے یعنی راوی کے ارد گرد گھنے جنگل تھے۔ سطورِ بالا میں مذکور ممالک غیر سے آنے والے حاکموں کے جبر سے مقامی باشندے ان جنگلوں میں آباد ہوتے گئے۔ ایک بڑی تعداد میں لوگ پہلے ہی ان علاقوں میں مویشی پال کر اور کاشت کاری کر کے زندگی بسر کر رہے تھے۔ اصل زبان بولنے والے ہوتے ہی یہی چرواہے، کاشت کار اور جھگیوں میں رہنے والے لوگ ہیں۔ حملہ آوروں کو مزاحمت کا سامنا بھی انھی جفاکش دیہاتیوں کی طرف سے کرنا پڑتا تھا۔ یہ حملہ کر کے جنگل میں چھپ جاتے تھے، مزاحمت کا یہ سلسلہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اپنے عروج پر پہنچا، رائے احمد خان کھرل اور ان کی سیادت میں لڑنے والے مجاہدین، مہامند کاٹھیا، نتھو کاٹھیا، سوجا بھدرو، نادر قریشی، مراد فتیانہ، سارنگ، ولی داد مردانہ، امانت علی چشتی، بابا نگاہی شاہ، پیر احمد شاہ، موکھاوہنیوال، جلاترہانہ، سردار لقمان جوئیہ رچناوی علاقے کے مرکزی دائرے کے لوگ تھے اور رچناوی بولنے والے تھے۔ یہ جنگ تلمبہ سے لے کر گوگیرہ تک لڑی گئی اور دہلی میں جنگ کے شعلے جب راکھ میں تبدیل ہو گئے تھے تب بھی یہاں برطانوی فوجوں اور ان کے وفادار مقامیوں کو ناکوں چنے چبوانے کا سلسلہ جاری رہا۔(xxvi)

لارڈ برکلے کی موت بھی انھی جنگجوؤں کے ہاتھوں ہوئی۔ میجر چیمبر لین کئی دن تک چیچہ وطنی میں محصور رہنے پر مجبور ہوا۔ ولی داد مردانہ، نادر قریشی اور موکھا وہنیوال کالے پانی (جزائر انڈیمان) بھیجے جانے کے دوران میں جہاز سے کود گئے اور کئی دن رات بھوکے پیاسے سمندر میں تیرتے ہوئے کنارے لگے اور پھر کئی ہفتوں کے سفر کے بعد اپنے علاقے میں آ گئے۔ یہ سب کچھ عام انسانی بساط سے ماوریٰ تھا۔ توپوں کے مقابلے میں کلہاڑیاں تھیں۔ بندوقوں کے مدِ مقابل لاٹھیاں تھیں۔ پورے ہندوستان میں بغاوت کا علم بلند کرنے والے فوجی تھے۔ راوی کے کنارے تلمبہ سے لے کر گوگیرہ تک جو لوگ بے وسیلہ ہوتے ہوئے بھی باقی خطے سے زیادہ دیر تک بر سرِ پیکار رہے اور شدید ترین مزاحمت کار بنے وہ رچناوی بولنے والے دیہاتی تھے رچناوی وسیب کے ان دیہاتیوں نے انگریز سرکار کو کس طرح سے زچ کیا۔ اسی حوالے سے بہاء الدین زکریا یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ سے تعلق رکھنے والے پروفیسر ڈاکٹر تراب الحسن سرگانہ جو خود بھی رچناوی معاشرت کے باسی ہیں، اپنی کتاب۔ Punjab and the War of Independence, 1857- 1858 میں لکھتے ہیں۔

> "On 23 September, R. E. Egerton, Deputy Commissioner Lahore, arrived and Elphinstone gave charge of the station to him and himself marched towards Kourey Shah accompanied by Captain Black and Lieutenant Chichester. At the village, Akbar, he was informed that the freedom fighters had taken control of Tehsil Harappa. The whole country as far as Tulumba in District Multan was at war on 25 September, a party of Cavalry from Multan under Major chamberlain was besieged for three day in Chichawatni Sarai and at last was relieved by Colonel Paton's detachment from Gugera" (xxvii)

مذکورہ بالا واقعات کو پیش نظر رکھ کر غور کیا جائے تو ایسے ناممکن کام کر گزرنے والے سخت کوشوں اور انگریز سرکار کو زچ کرنے والوں کے لیے برطانیوں کی طرف سے "جانگلی" کا خطاب سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ شعوری و لاشعوری طور سے اپنوں کی طرف سے ان جری باشندوں اور ان کی فصیح و بلیغ زبان کو "جانگلی" کہا جانے لگا۔ کم و بیش سات سو سالوں تک جس زبان میں شعر و ادب تخلیق ہوا، اردو کی ابتدائی صورت گری میں جس زبان نے اہم کردار ادا کیا اسے نظرِ تحقیر سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ دشمن کا دیا لقب ایک طرح سے تمغہ تھا، مزاحمت کا استعارہ تھا۔ لیکن اسے اپنوں نے گالی کے طور پر استعمال کیا۔ وقت گزرتا رہا اور یوں ان جانگلیوں کی معاشرت اور زبان کے ساتھ تغافل برتنے کی یہ ریت مستحکم ہوتی چلی گئی۔ مشرقی پنجاب، لاہور اور ملتان کے دانشوروں نے میڈیا کے توسط سے اپنی زبانوں کو وہ اہمیت دلوا دی جس کی وہ مستحق تھیں لیکن اس زبان کے ساتھ وابستہ اہل علم اور دانش ور اسے وہ اہمیت کیوں نہ دلوا سکے۔ جس کی یہ حق دار تھی یہ محض ایک سوال ہی نہیں ایک المیہ بھی ہے۔

قصہ مختصر طاہرہ اقبال نے اپنے ناول "نیلی بار" اور اقبال عابد نے "مانگی ہوئی محبت" میں رچناوی تہذیب و معاشرت کو مذہبی، معاشرتی، سیاسی و سماجی ہر لحاظ سے بھرپور طریقے سے بیان کیا ہے۔ دونوں کے ہاں تہذیب و معاشرت کی پیشکش کے بہت سے پہلو مشترک ہیں اور جو واضح فرق پایا جاتا ہے وہ دونوں تخلیق کاروں کے نقطہ نظر کا ہے۔ طاہرہ اقبال نے اس خطے میں بسنے والوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے استحصالی ہتھکنڈوں کو موضوع بحث بنایا ہے جبکہ اقبال عابد نے اس علاقے کے لوگوں کی مہر و محبت، وفا، ایثار اور جرأت مندی کو پیش کر کے ان پر لگے جانگلی کے بدنما داغ کو مٹانے کی سعی کی ہے دونوں ناول نگاروں نے اردو زبان میں لکھے گئے ناولوں میں رچناوی تہذیب کی عکاسی کرنے کے لیے جابجا رچناوی زبان کا استعمال کر کے اس تہذیب کے باسی ہونے کا حق ادا کیا ہے۔ سیاق و سباق کی تفہیمی معاونت کے ساتھ دونوں ناول نگاروں نے اس زبان کو جس طرح سے ناول کے بیانیے میں سمویا ہے اس سے ناول نگاروں کا رجحان لسانی تشکیل کی طرف بھی گامزن دکھائی دیتا ہے۔ نیز پتہ چلتا ہے کہ رچناوی زبان میں تخلیقی امکانات اس قدر فزوں تر ہیں کہ اس میں ادب کی تمام اصناف کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ مزید یہ کہ دیگر علاقائی زبانوں یا پنجابی زبان کے دیگر لہجوں سے کسی صورت بھی کم مایہ یا کم حیثیت نہیں ہے بلکہ پنجاب کے اس خطے کی معیاری اور مرکزی زبان رچناوی ہی ہے۔ ضرورت ہے تو اس امر کی اس زبان اور تہذیب پر اٹی دھول اور گرد کو جھاڑ کر اس کے فروغ کے لیے کوششیں کی جائیں کیوں کہ قوموں کا وقار ان کی زبانوں کے ترقی یافتہ ہونے میں مضمر ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ رچناوی زبان سے بوجہ تحقیر، اغماض کے نتیجے میں پنجابی کلاسیکی شعری سرمائے کی درست تفہیم سے عہد حاضر کے پنجابی دان بھی محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ مذکورہ بالا دونوں ناول نگاروں نے اپنے ناولوں میں رچناوی زبان کے استعمال سے پنجابی اور اردو کے دامن میں اس کے جواہر ہائے گم گشتہ ڈال کر دونوں زبانوں کے اصل اور دلفریب افق کو وسعت بخشی ہے۔

## حوالہ جات


[i] ۔ الروم، 22:21

[ii] ۔ ابراہیم، 4:14

[iii] ۔ انتظار حسین، "اپنی دانست میں"، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2014ء، ص57

[iv] ۔ الطاف حسین لنگڑیال ڈاکٹر، "پنجاب دی مرکزی بولی تے معیاری لہجہ۔ رچناوی" مشمولہ سہ ماہی رچناوی، جنوری تا مارچ، 2011ء، ص36

[v] ۔ ایضاً، ص37

[vi] ۔ فقیر محمد فقیر ڈاکٹر، "پنجابی زبان و ادب کی تاریخ"، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2002ء، ص30

[vii] ۔ ایضاً، ص22

[viii] ۔ حافظ محمود شیرانی، "پنجاب میں اُردو"، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1988ء، ص173

[ix] ۔ مرزا خلیل احمد بیگ، "مسعود سعد سلمان کے ہندوی دیوان کے قدیم ترین حوالے" مشمولہ سہ ماہی پہلوں، اپریل تا جون، 2016ء، ص13

[x] ۔ ایضاً، ص13

[xi] ۔ حافظ محمود شیرانی، "پنجاب میں اُردو"، ص9

[xii] ۔ ایضاً، ص57

[xiii] ۔ مجید امجد، "حرف اوّل" مشمولہ "سانولے من بھانولے۔ کلیات" شیر افضل جعفری، اشرف پریس، لاہور، 1963ء، ص13

[xiv] ۔ حافظ محمود شیرانی، "پنجاب میں اردو"، ص8

[xv] ۔ فقیر محمد فقیر ڈاکٹر، "پنجابی زبان و ادب کی تاریخی"، ص78

[xvi] ۔ اقبال عابد، "مانگی ہوئی محبت" انور سنز پبلشرز، ساہیوال، 2019ء

[xvii] ۔ طاہرہ اقبال ڈاکٹر، "نیلی بار" دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2017ء

[xviii] ۔ جمیل جالبی ڈاکٹر، "قدیم اُردو کی لغت"، اردو سائنس بورڈ، لاہور، 2008ء

[xix] ۔ وارث سرہندی، "جامع الامثال"، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1989ء، ص(و)

[xx] ۔ طاہرہ اقبال ڈاکٹر، "نیلی بار"، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2017ء

[xxi] ۔ اقبال عابد، "مانگی ہوئی محبت"، انور سنز پبلشرز، ساہیوال، 2019ء

[xxii] ۔ ایضاً، ص429

[xxiii] ۔ طاہرہ اقبال، "انٹرویو" افتخار احمد صدیقی مشمولہ شاعر، بمبئی، 2010، ص15

[xxiv] ۔ طاہرہ اقبال ڈاکٹر، "نیلی بار"، ص58

[xxv] ۔ ایضاً، ص35

[xxvi] ۔ ایم۔ اے اشرف، "تاریخ ساہیوال"، پنجاب لوک سُجاگ، ساہیوال، 2014، ص236

[xxvii] ۔ تراب الحسن سرگانہ، "پنجاب اینڈ دی وار آف انڈیپینڈنس"، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، 2020ء، ص129